مسیحیت کی یلغار کا کیسے مقابلہ کیا جائے ؟

ڈاکٹر محمود احمد غازی

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خدمات کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ اس موضوع کو اچھی طرح سمجھا جائے، جس پر مولانا نے کام کیا، عنوان کے اعتبار سے تو وہ کام ہے ردعیسائیت اور دفاع اسلام، کہنے کو تو یہ بڑے آسان سے عنوانات ہیں، لیکن علمی اعتبار سے یہ کتنے ہمہ گیر ہیں اس بات کو جاننے کے لئے ہر مسلمان کو اس کا پس منظر اور اس کی تاریخ کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔

ہم مسلمان روزانہ رات میں کم از کم سترہ بار سورت فاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں، سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی رہنمائی کی درخواست کی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ دعا بھی کی ہے کہ المغضوب علیهم اور الضالین کے راستے پر چلنے سے ہماری حفاظت فرما اور اس سے بچنے کی ہمیں توفق عطا فرما۔ اندازہ کیجئے کہ وہ صراط مستقیم کیا ہے، حس پر چلنے کی ہم روزانہ کم از کم سترہ بار توفیق مانگتے ہیں اور وہ مانگتے کیا ہیں جن سے ہم روزانہ سترہ بار پناہ مانگتے ہیں، تمام مفسرین اور اہل علم کی تحقیق میں ہے کہ صراط مستقیم تو انبیاء صدیقین، شہدا اور صالحین کا راستہ ہے، جن پر اس کا انعام ہوا ہے، جب کہ المغضوب علیهم سے مراد یہود ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا اور الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں کہ جو راہِ حق سے بھٹک گئے۔ تاریخ انسانیت میں گمراہی کے اسباب دو ہی ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ کوئی شخص یا گروہ جان بوجھ کر ایک غلط نظریئے یا راستے کا انتخاب کرے، اور دوسرا یہ کہ شیطان یا کوئی دھوکہ دینے والا اسے دھوکے میں مبتلا کر دے، اور وہ راہِ حق سے بھٹک کر غلط راستے کو ہی صحیح راستہ سمجھتا ہو، اسے اختیار کرے اور اس پر چل پڑے۔ انسانی تاریخ میں بہت کم ایسا ہوا ہے، کہ کوئی ایک راستے کو غلط سمجھتے ہوئے اسے اختیار کرے اور اس پر سفر کا آغاز کر دے، عموماً کوئی نادانی اور مغالطہ ہوتا ہے جس میں مبتلا ہو کر کوئی صراطِ مستقیم سے ہٹ جائے او، اعتقادی و علمی دنیا میں بسا اوقات معمولی سے غلطی اور نادانی بلکہ معمولی سی غفلت انسان کو بڑی دور لے جاتی ہے اور وہ راہِ صواب سے کوسوں دور نکل جاتا ہے۔

رفتم که خار از پا کشم محمل نهاں شد از نظر　　یک لحظه غافل شدم و عمر ها دور شدم

''پاؤں سے کانٹا نکالنے کے لئے ایک لمحے کے لئے رکا تھا، کہ محبوب کی سواری
آنکھوں سے اوجھل ہوگئی اور میری یہ ایک لحظے کی غفلت میرے لئے زندگی بھر کا ماتم بن گئی''۔

انسانی تاریخ میں بھی جو غلطیاں ہوئیں وہ دو طرح کی ہیں: ایک انداز کی غلطی تو وہ ہے جس کی نمائندگی یہودیت کرتی ہے اور دوسری طرح کی غلطی وہ ہے جس کی نمائندگی کا اظہار عیسائیت میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں انداز کی غلطیوں کی نشاندہی متعدد مواقع پر اور مختلف انداز میں کی اور امت کو ان سے بچنے کی تعلیم دی۔

مثلاً عیسائیت میں رہبانیت کا تصور اس لئے پیدا ہوا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے شریعت میں جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں، وہ ناکافی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کے لئے مزید پابندیوں کی ضرورت ہے، چنانچہ انہوں نے خود اپنی طرف سے رہبانیت کا راستہ اختیار کیا۔ قرآن مجید میں کہا گیا: ﴿ورهبانيةً ابتدعوها﴾ (الحدید: ۲۷). یعنی: ''رہبانیت کا حکم ہم نے نہیں دیا تھا، بلکہ انہوں نے خود اسے ایجاد کیا''۔

دوسری طرف یہودیوں نے ہفتے کے سات دنوں میں سے ایک دن تو عبادت خداوندی کے لئے مخصوص کرلیا کہ اس دن ہم دنیا کا کوئی کام نہیں کریں گے اور ہر طرح کی مادی ضرورتوں اور خواہشات سے کنارہ کش رہیں گے جب کہ باقی ایام میں ہم شریعت کی ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد ہوں گے اور جس طرح چاہیں گے، اپنی مرضی سے زندگی گزاریں گے۔

ہمارے یہاں بھی یہ سوچ انہی کی پیروکاری میں پیدا ہوئی کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم شریعت کے اصولوں پر عمل کریں گے، بھائی! تم شریعت کے اصولوں پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہو، تو خود شریعت پر عمل کیوں نہیں کرتے، یہ دراصل اس کج فہمی اور کج روی کا نتیجہ ہے کہ کچھ لوگ شریعت کے اصولوں کی بات کر کے احکام شریعت کو اپنی مرضی کے معنی دینا چاہتے ہیں اور احکام شریعت کو اپنی سوچ اور خواہشات کا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر شریعت کا اصول یہ ہے کہ اس میں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے، تو کچھ لوگ عدل وانصاف کے شرعی پیمانوں کی بجائے خود اپنے یہاں سے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عدل وانصاف وہ ہوگا، جس کو ہمارا ذہن عدل وانصاف قرار دے۔ یہی وہ انداز ہے جو یہود اور نصاریٰ نے اختیار کیا۔ آپ عموماً دیکھتے ہوں گے کہ جب کوئی عیسائی مبلغ ومفکر اپنے مذہب کی دعوت وتبلیغ کا کام کرتا ہے، وہ ایسے عجیب وغریب قسم کے دعویٰ کرتا ہے، جن کے پیچھے کوئی حقیقت اور کوئی بنیاد نہیں ہوتی اور ان کی حیثیت ایک نعرے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی، مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ عیسائی اپنے مذہب کی تبلیغ پر انسانیت کی خدمت کا پردہ ڈال کر بات کرتا ہے کہ صاحب! ہم تو انسانیت کی خدمت کررہے

ہیں۔ انسانیت کی خدمت بہت اچھی بات ہے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الخلق عیال اللّٰہ" مخلوق، اللہ کا کنبہ ہے، اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی خدمت پر بڑا اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیت کے پاس اس کے لئے کیا بنیاد ہے اور اس کے مذہبی لٹریچر میں اس کے لئے کیا اندازِ تعلیم دیا گیا ہے؟ اس کے لئے اس کے پاس کوئی واضح لائحہ عمل نہیں ہے۔

تین چار سال قبل مجھے ایک ایسے اجتماع میں جانے کا اتفاق ہوا، جو مسلمان، عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کا مخلوط اجتماع تھا، مجھے اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پر گفتگو کرنے کے لئے کہا گیا، تو میں نے کہا رسول اللہ کی سیرت طیبہ تو ایک ایسی جاندار اور ہمہ گیر شخصیت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں انسانوں کے لئے ایسا لائحہ عمل موجود ہے، کہ تمام انسان اس کو اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ یعنی کچھ لوگ تو ایسے سعادت مند تھے جنہوں نے برضا ورغبت آپ کو رسول اللہ تسلیم کرتے ہوئے آپ کی پیروی کی اور اس طرح دارین کی سعادت حاصل کی لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو مجبوراً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کررہے ہیں، بلکہ اس وقت بھی زیادہ تعداد انسانی برادری کی وہ ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا انکار کرنے کے باوجود آپ کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں، اور وہ تسلیم کرے یا نہ کرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عملاً پیروی کررہی ہے، اور اس سے ان کی دنیا میں امن ہے، سکون ہے۔ انسانیت سے محبت کی تعلیم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی دی ہے، لیکن وہ اس طرح ہے کہ اس پر عمل کرنا ممکن ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مظلوم کی حمایت کرنے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی تعلیم دی، تو فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ! مظلوم بھائی کی امداد تو سمجھ آتی ہے ظالم کی مدد کس طرح کی جائے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسے ظلم سے روک دو، یہ اس کی امداد ہے تو انسانی عقل اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے، کہ دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مظلوم کی حمایت کی جائے اور ظالم کا ہاتھ روک کر اسے ظلم سے باز رکھا جائے۔ یہ خود اس کی بھی امداد ہے کہ وہ کسی پر اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر ظلم کرہی نہ سکے۔ تو اس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا میں عدل وانصاف کا معیار مقرر کردیا، یہی اسلامی شریعت ہے، ظاہر ہے ظالم سے تعاون کا طریقہ اور ہوگا، مظلوم سے تعاون کا طریقہ اور ہوگا، قاتل سے تعاون کا طریقہ اور ہوگا، مقتول سے تعاون کا طریقہ اور ہوگا۔ اور اس کا انداز یہی ہے کہ قاتل اور ظالم کو عدل وانصاف کے کٹہرے میں لاکر کھڑا کردو، اس کے جرم کی اسے سزا دے دو، اس سے دنیا میں انصاف قائم ہوگا اور ظلم کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اسی طرح ہم پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بتا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسانی عدل، انصاف اور مساوات کا جو درس دیا ہے، اس

کے لئے باقاعدہ ایک ضابطہ اخلاق دیا ہے، جسے شریعت کہتے ہیں اس کو دنیا میں نافذ کردو، انسانوں میں انصاف قائم ہوجائے گا۔ میں نے اس اجتماع میں بیان کیا کہ دوسری طرف تم انسانیت کی خدمت کے حوالے سے جو سب سے بڑی بات کہتے ہو، وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تعلیم دی کہ اگر تمہاری ایک گال پر چانٹا رسید کرے تو تم اپنی دوسری گال بھی اس کے آگے کردو، کہ وہ اس پر بھی چانٹا لگادے۔ یہ کیسی ناقابل عمل تعلیم ہے اور کہا اس طرح کبھی دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہوسکتا ہے؟ گزشتہ دو ہزار سال کی مسیحی تاریخ میں کوئی ایک مثال تو سامنے لائے کہ کسی نے کسی کے ایک گال پر تھپڑ مارا ہو تو اس نے دوسرا گال بھی آگے کردیا ہو؟ آپ ہی بتائیے کبھی کسی نے ایسا کیا ہے کہ اس کے ایک بھائی کو کسی نے قتل کردیا ہو، تو اس نے دوسرا بھائی آگے کردیا ہو، کہ لو اسے بھی قتل کرتے جاؤ، کسی نے ایک کمرے کا تالہ توڑ کر چوری کی ہو یا ڈاکہ ڈالا ہو تو آپ نے دوسرے کمرے کا تالا خود کھول دیا ہو کہ اس سے بھی مال اٹھا کرلے جائیے، کسی دشمن نے ایک شہر فتح کیا ہو تو آپ نے دوسرا شہر خالی کردیا ہو کہ لیجئے اسے بھی لیتے جائیے؟ اس طرح کی اخلاقی تعلیم سے، تو کبھی انصاف نہیں ہوسکتا۔ انصاف تو شریعت کے پوری طرح نفاذ سے قائم ہوگا، کہ ظلم کرنے والے کو عدالت اور انصاف کے کٹہرے میں لا کھڑا کیجئے، یہ الگ بات ہے کہ مظلوم یا مقتول کے ورثاء اسے معاف کردیں، تو ﴿فمن عفا واصلح فاجره على الله﴾ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے لئے اجر ہے، ورنہ جب حد قائم ہوگئی اور جرم کی سزا جاری ہوگی تو دنیا میں ظلم کا خاتمہ ہوجائے گا۔

حضرات! یہ بات اس طرح چلی کہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے شریعت نازل کی تھی، لیکن انہوں نے اس پر پوری طرح عمل کرنے کی بجائے اپنی عقلی تدابیر سے فرار کی راہیں تلاش کیں تو گمراہ بھی ہوئے اور اللہ کے غضب کے مستحق بھی قرار پائے۔ امت مسلمہ کو ان کی سی راہ اور ان کا سا انداز فکر اختیار کرنے سے روکا گیا۔

اور پہلی آسمانی کتابوں میں جو ہدایات نازل ہوئی تھیں، ان کا قرآن میں تحفظ کیا گیا کہ اہل کتاب نے ان کی شکل تبدیل کردی اور ان کی تعبیرات و تشریحات کو اپنی خواہشات کے تابع بنالیا تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان شریعتوں کی خوبیوں اور اصولوں کو جمع کردیا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا ایک وصف یہ بیان کیا ہے کہ ﴿ومهیمنا علیه﴾ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں کی بنیادی تعلیمات کا جامع ہے اور ان کا محافظ ہے، جو اصول و عقائد تمام شریعتوں میں مشترک چلے آرہے تھے، جب اہل کتاب نے ان میں تحریف کردی تو اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لئے قرآن مجید میں وہ تمام اصول و عقائد بیان کردیئے کہ اس کتاب کو باقی رہنا تھا، اور امت مسلمہ کو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں ان عقائد و تعلیمات کا داعی اور ذمہ دار قرار دے دیا، بلکہ زمین پر ہی نہیں نئے نئے سیاروں میں اور جہاں جہاں بھی انسانی آبادی دریافت ہوگی، یا انسان وہاں آباد ہوگا، امت مسلمہ یہاں شریعت کے داعی کا فریضہ سرانجام

دے گی اور اس کا ہر فرد اس بات کا ذمہ دار ہوگا کہ وہ انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دے اور دنیا و آخرت میں اس کی کامیابی کی ضمانت دینے والا دین اس کے سامنے پیش کرے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں پہلی قوموں کی نفسیات، تاریخ عروج و زوال، طرز عمل اور انجام سے متعلق اللہ تعالیٰ نے جب مضامین نازل فرمائے تو جو مذہب وقت اور زمانے کے ساتھ ساتھ مٹ جانے والے تھے، ان کو نظر انداز کیا۔ بت پرستی، آتش پرستی اور اس طرح کے خود بخود ختم ہو جانے والے مذاہب کے بارے میں آپ کو زیادہ مضامین نہیں ملیں گے، لیکن جن دو مذاہب کے ساتھ اس امت کو ہمیشہ واسطہ پڑنے والا تھا اور تقابل کی صورت ہمیشہ سامنے آنے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے پوری تفصیل کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ قرآن مجید جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر مشتمل آیات ہیں، احکام شریعت ہیں، تعلق مع اللہ کے لئے دعائیں اور اسمائے حسنیٰ کا ذکر ہے، وہاں ان دو قوموں کی بے اعتدالی اور ان تمام معاملات میں عدم توازن کا تفصیل بیان ہے۔ آپ ذرا اس بات پر غور فرمائیں کہ سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی پہلی دو سورتیں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہیں۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو سورتیں ''زہراوین'' ہیں کہ قیامت کے دن یہ دو پھولوں کی طرح امت مسلمہ پر سایہ کریں گی، ان دونوں سورتوں میں کیا مضامین ہیں۔ آپ آج ہی جا کر مطالعہ کریں تو سورۂ بقرہ میں تمام انسانوں کو خطاب کر کے، دین کی دعوت کے نتیجے میں سامنے آنیوالے تین گروہوں کا ذکر کرنے اور خلافت الٰہیہ کا بیان کرنے کے بعد بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے، اور یہود کا یہ تذکرہ سورت کے آخر تک کسی نہ کسی انداز سے چلا جاتا ہے۔ اس سورت کو تورات سے مناسبت ہے کہ تورات میں احکام تھے تو سورۂ بقرہ میں بھی حلال و حرام، جہاد و حج، روزہ، نکاح، طلاق وغیرہ کے احکام ہیں، اور اس کا طرز وہی ہے جو تورات کا طرز ہے۔ یہود نے چونکہ تورات میں تحریف کر دی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان کی فریب کاری، بے راہ روی، قتل انبیاء اور کتاب اللہ میں تحریف و تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے امت مسلمہ کو ان کی نفسیات کو سمجھنے، ان سے ہوشیار رہنے اور ان کا سا انداز اختیار نہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ پھر سورۂ آل عمران شروع ہوتی ہے تو آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے اور ان صفات کا ذکر ہے جن سے عیسائیوں نے مشرکانہ عقائد اختیار کر لئے تھے۔ پوری سورت میں احکام نہیں ہیں، بلکہ تعلق مع اللہ کی بنیادیں بیان کی گئی ہیں، اور اس طرح اس سورت کو انجیل سے مناسبت ہے کہ انجیل میں بھی احکام اور حدود نہ تھیں، شریعت تو ان کے لئے بھی وہی تھی جو تورات میں نازل کی گئی تھی، انجیل میں مناجات اور دعائیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی شفقت اور مہربانیوں کا تذکرہ ہے۔ شاید اسی سے عیسائیوں کی گمراہی کی بنیاد قائم ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شفقت کو سمجھانے کے لئے باپ اور اولاد کی مثال دی ہو، کہ اللہ تعالیٰ اس طرح اپنی مخلوق کے ساتھ

شفقت فرماتے ہیں جس طرح باپ اپنی اولاد کے ساتھ شفقت کرتا ہے تو اس تمثیل کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے وہ اس شرکانہ عقیدۂ تثلیث میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ بہرحال سورۂ آل عمران میں عیسائیت کی تاریخ، حضرت مریم و عیسیٰ کا تذکرہ اور اہل کتاب کی ان خصلتوں کا ذکر ہے جن کو پوری طرح سمجھ کر ہی امت مسلمہ اپنی ہمہ گیر اور عالمی ذمہ داریوں کو سرانجام دینے کے قابل ہو سکتی تھی۔

گویا ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو اس کے بین الاقوامی کردار کے لئے علمی فکری اور نظریاتی اعتبار سے تیار کیا ہے، اور یہ بات یاد رکھئے کہ اس عالمگیر کردار کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں اور جب آپ اپنا وہ عالمی اور بین الاقوامی کردار ادا کرنا چاہیں تو وہ تین چیزیں آپ میں موجود ہونی چاہیں: پہلی چیز یہودیت وعیسائیت کی نفسیات، طریقہ واردات، عقائد واعمال کو پوری طرح سمجھنا ضروری ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ احکام اور تذکیر یعنی حدود اللہ اور تعلق مع اللہ کے مضامین کے درمیان توازن قائم ہو، شریعت اور طریقت یعنی شریعت کے ظاہری احکام اور اس کی داخلی حکمتوں کو پوری پوری طرح سمجھ کر ان پر کما حقہ عمل ہو، ان میں سے کوئی ایک پہلو بھی نظر انداز ہو گیا تو وہ توازن بگڑ جائے گا جسے قائم رکھنے کا ذمہ دار اس امت کو بنایا گیا، اور یہی عدم توازن یہودیت وعیسائیت کا طرز عمل ہے۔ اور تیسری چیز یہ ہے اور مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے اور اسے یاد رکھنا چاہیے کہ جب بھی وہ اپنے بین الاقوامی کردار کو ادا کرنے پر زور دیں گے اور اسے ادا کرنے کے لئے نکلیں گے تو یہودیت وعیسائیت سے ان کے مقابلے کی صورت پیدا ہوگی، اس صورت میں جو ٹکراؤ ہوگا اس کے لئے تیاری یہ تیسری ضروری چیز ہے۔ یہ تیاری علمی میدان کے لئے بھی ہو اور جہاد کے میدان کے لئے بھی۔

یاد رکھئے، اگر ان تین چیزوں کا اہتمام ہوگا تو آپ اپنا بین الاقوامی کردار ادا کر سکیں گے، اور اگر ان میں سے کوئی چیز بھی رہ گئی تو یہودیت وعیسائیت آپ کے لئے سدِ راہ ہوگی۔ تو سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ مطالعہ مسیحیت ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے نام سے یہ ہال منسوب کیا گیا ہے۔ اور مولانا فاروقی نے مطالعہ مسیحیت کے لئے اپنے آپ کو اور اس ادارے کو وقف کرنے کا اعلان کیا ہے، اس طرح مولانا رحمت کیرانوی کے انداز میں مسیحیت کا مطالعہ اور اس کا علمی تعاقب ومحاسبہ ہو سکے گا۔ اس وقت اس طرح کے ادارے کی ضرورت اہل علم کو بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مسیحیت کا ناقدانہ مطالعہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے یہاں ایک اہم کام سمجھا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص جیسے صحابہ کرامؓ میں اس سلسلے میں ذوق موجود تھا، اور صحابہؓ کے اتباع میں ان کی اس سنت کو جاری رکھتے ہوئے ہر دور میں کیا۔ علمائے اسلام نے مطالعہ مسیحیت کو اپنے

خصوصی مطالعہ کا موضوع بنایا۔ چنانچہ امام غزالی، امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ اور دیگر علمائے امت نے اس پر مستقل کام کیا اور ردعیسائیت کے علمی اصول متعین کیے۔ ہمارے اس برصغیر میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اس سلسلہ میں گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ مطالعہ مسیحیت کے سلسلے میں یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ عیسائیت کے تمام گروہوں اور طبقوں پر گہری نظر رکھی جائے، وہ حکمران اور سیاست دان ہوں۔ محقق اور مستشرق ہوں یا مبلغ اور مبشر۔ عیسائیت کی تاریخ یہی ہے کہ جہاں تاجر یا حکمران پہلے گئے تو بعد میں وہاں پادری اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے پہنچے اور جہاں مبلغ اور تبشیری افارد پہلے پہنچے اس کے بعد راہ ہموار ہوئی، حکمرانوں کے لئے۔ ہندوستان اور افریقہ کی الگ الگ مثالیں اس کی شہادت کے لئے کافی ہیں کہ یہاں پہلے تاجر اور حکمران آئے۔ ان کے بعد عیسائی مبلغین نے اسلام کے خلاف یلغار کی۔ جب کہ افریقہ پادریوں نے عیسائی استعمار کا راستہ ہموار کیا، یہ حقیقت ہے کہ عیسائی مبلغین پادریوں کا رابطہ باقی تمام گروہوں سے رہا ہے، بہ ظاہر وہ الگ الگ نظر آتے ہیں، لیکن ان کے درمیان ایک منصوبہ بندی ہے، جس کے مطابق وہ کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے تعاون سے آگے بڑھتے ہیں۔

مستشرقین عیسائیوں کی وہ جماعت ہے جو بظاہر غیر جانبدار علمی تحقیق کے حوالے سے متعارف ہے، لیکن اگر ان کی سرگرمیوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مستشرقین کا تبشیری گروہ سے بڑا گہرا تعلق ہے، بلکہ حکمرانوں کے ساتھ بھی ان کے روابط بڑے مضبوط ہیں۔

آج سے چالیس برس قبل لبنان کے ایک عالم نے بڑی تحقیقی کتاب لکھی تھی، جس کا نام ہے "العلاقة بین الاستعمار والتبشیر" اس میں انہوں نے دلائل کے ساتھ واضح بلکہ ثابت کیا کہ مغربی حکمرانوں کے ساتھ عیسائی مذہبی مبلغین کا کتنا گہرا رابطہ ہے۔

میری یہ درخواست ہوگی جب کہ یہاں جب اس عنوان پر کام کرنے کے لئے مرکز قائم ہو تو اس کتاب کا اردو ترجمہ کر کے اسے شائع کیا جائے، اس کتاب میں مصنف ڈاکٹر عمر فرخ لبنانی نے ایک ایک کر کے ثابت کیا کہ کس عیسائی پادری کے کس مستشرق کے ساتھ رابطے تھے اور کون سا مستشرق تحقیق کے میدان میں آنے سے پہلے ایک انتہا پسند عیسائی مبلغ تھا۔ آپ اپنے طور پر مستشرقین کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو علم ہوگا کہ درجنوں ایسے مستشرق ہیں جو تحقیق کے میدان میں آنے سے پہلے پادری ہی تھے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اپنی زندگی بہ حیثیت پادری عیسائیت کی تبلیغ کے لئے وقف کر چکا ہے، کیا ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ مذہبی تبلیغ چھوڑ کر تفسیر، فقہ، تاریخ، عربی زبان اور اس طرح کے خالص اسلامی موضوعات پر تحقیق کرنے کے لئے باقی زندگی گزار دے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو انہیں اسلامی موضوعات پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ علم اور تحقیق کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں، وہ تو غیر جانبدارانہ تحقیق

کے نام پر اسلام پر طعن کا دروازہ کھولتے ہیں، اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا ان کا مشن ہے۔

چنانچہ جب انیسویں صدی میں مستشرقین نے دیکھا کہ تقریباً دوبارہ عالم اسلام عیسائی استعمار کے زیر تسلط ہوگیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اب یہ کام بڑا آسان ہے تو انہوں نے سب سے پہلا حملہ قرآن مجید پر کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ قرآن پاک نعوذ باللہ ایک لغو کلام ہے اور یہ کوئی آسمانی کتاب نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر ادھر سے مضامین لے کر اسے آسمانی کتاب قرار دینے کی کوشش کی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ عربی زبان میں ایک ادبی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں پہلی قوموں کے واقعات بھی ہیں اور اخلاقی وفلسفیانہ تعلیمات بھی۔ لیکن پچاس سال تقریباً اس عنوان پر کام کرنے اور قرآن کو ہدف تنقید بنانے کے بعد انہیں اندازہ ہوگیا کہ قرآن کی مضبوط بنیادوں کو اپنی جگہ سے ہلانا ممکن نہیں اور وہ اپنی توانائی ضائع کر رہے ہیں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا اور آپ کی اخلاقی حیثیت پر طعنہ زن ہوئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو کچھ لکھا میں آپ کو بتا نہیں سکتا، ہماری زبان میں ہرگز یہ طاقت نہیں کہ ان کے الفاظ کو دہرا سکیں، لیکن پھر انہیں اندازہ ہوگیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ان مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہے، کہ جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی منفی بات کرے گا وہ اپنا ہی منہ سیاہ کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ اس سلسلے میں لکھا، انیسویں صدی میں سرسید جیسے شخص نے اس کا علمی جواب دیا اور یہ ثابت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مستشرقین کی ساری تحقیق تعصب، جانبداری اور علمی خیانت پر مبنی ہے، تو پھر انہوں نے رسول اللہ کی ذات کو چھوڑ کر حدیث رسول کو اپنا موضوع بنایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کا علم حدیث انتہائی کمزور ہے اور یہ رطب ویابس ہے جو بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جمع کیا اور مسلمانوں نے عقیدت کی بنیاد پر اسے حدیث رسول قرار دے دیا، ورنہ قرون اولیٰ میں تو ان کے جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں ہوا، لیکن جب اس پر بھی مسلمان علماء اور متکلمین نے علمی وعقلی دلائل کے انبار لگا دیئے اور فن روایت ودرایت سے ایک ایک حدیث کا صحیح ہونا اور اس کی سند کا مضبوط اور ثقہ ہونا ثابت کر دیا تو مستشرقین کو اندازہ ہوگیا کہ اس میدان میں بھی وہ ناکام ہیں اور علم حدیث انتہائی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے، تو انہوں اس موضوع کو چھوڑ دیا اور دوسرے طریقے تلاش کرنا شروع کیے۔

بہرحال مستشرقین کا عیسائی مبلغین سے انتہائی گہرا رابطہ ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں، ایسے ہی آپ عیسائی حکمرانوں کا مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ عیسائی حکومتوں نے اس سلسلے میں پادریوں کو کتنی بڑی بڑی مالی امدادیں دی ہیں۔ ایک طرف تو سیکولرازم کا دعویٰ ہے لیکن دوسری طرف اگر مسلمان بچی کے سر پر

اسکارف نظر آجائے تو ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اسے اپنے دین کی شناخت کیوں ہونے لگی ہے اگر یہ سب کچھ ہے اور سیکولرازم کا دعویٰ سچا ہے تو پھر عیسائی مذہب کی تبلیغ کے لئے گرجا کی یہ مالی امداد کس بات کا پتہ دیتی ہے۔ کروڑوں، اربوں ڈالر کی امداد گرجا کے لئے اور مستشرقین کے اداروں کے لئے اس بات کا ثبوت ہے کہ عیسائی حکمران و مستشرق اور مبلغ ایک ہی منصوبے پر باہم مل جل کر کام کر رہے ہیں اور وہ منصوبہ ہے مسلمانوں کو عیسائی بنانا۔ لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ صدیوں سے اس سلسلے میں پوری کوشش کے باوجود وہ کامیاب نہیں ہوئے اور انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے سلسلے میں وہ اپنے اہداف میں کامیاب نہیں ہوئے، البتہ یہ ضرورت ہوا کہ وہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اس میں جتنا حصہ عیسائیوں کی تبلیغ کا ہے، اتنا ہی حصہ ہمارے عمومی نظام تعلیم کا ہے اور کسی حد تک ہمارے کمزور لوگوں کا بھی حصہ ہے۔

تاہم اس بات کا جائزہ لینے کے لئے کہ مسلمان عیسائیت کی تبلیغ سے متاثر کیوں نہیں ہوئے، اور آج سے دوسو برس قبل جس طرح وہ توقع رکھتے تھے کہ مسلمان متاثر ہوں گے ان کی یہ توقع ناکام ہوئی تو اس کا جائزہ لینے کے لئے عیسائی مفکرین وقتاً فوقتاً اکھٹے ہو کر اس پر غور وخوض کرتے رہے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں ایک اجلاس ۱۸۶۰ء میں یعنی آج سے تقریباً کم وبیش ایک سو چالیس برس پہلے منعقد ہوا جس میں دنیا بھر سے عیسائی مفکرین جمع ہوئے اس پر غور کرتے رہے کہ عیسائیت کی تبلیغ میں ناکامی کے اسباب کیا ہیں اور ان کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔ بحث اور غور وفکر کے بعد انہوں نے قرار دیا کہ اس کے تین اسباب ہیں، جب تک انہیں دور نہ کیا جائے وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ انہوں نے کہا کہ پہلا سبب تو عیسائی استعمار ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عیسائی حکمران کسی مسلمان ملک اور زمین پر قبضہ کرتے ہیں اور انہیں غلام بنالیتے ہیں تو فطری طور پر غلام قوم کو فاتح اور استعماری قوم سے نفرت ہوتی ہے، وہ نفرت انہیں عیسائی مذہب سے متعلق مثبت سوچ پیدا کرنے سے روکتی ہے، لہٰذا زمینوں پر قبضے کی بجائے حکمران کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں اور وہ اقتصادی، مالی یا فکری غلام کا راستہ ہوسکتا ہے۔ دوسرا بڑا سبب مسلمانوں کا ارتداد کے بارے میں عقیدہ اور قانون ہے، کہ جب کوئی شخص ان میں سے مذہب تبدیل کرتا ہے، تو اسے وہ مرتد اور واجب القتل قرار دیتے ہیں، یہ قانون بھی عیسائیت کی تبلیغ میں بڑی رکاوٹ ہے چنانچہ انہوں نے یہ کوشش کی مسلمانوں میں مرتد کی سزا کو ختم کرانے کے لئے اسے بنیادی انسانی حقوق کے خلاف قرار دیا جائے اور تبدیلی مذہب کو انسان کا بنیادی حق قرار دینے کے لئے ذہن سازی کی جائے۔ تیسرا سبب مسلمانوں کی مذہبی قیادت ہے، یعنی جید علماء اور ثقہ و مستند علماء۔ لہٰذا ان کے خلاف نفرت پیدا کرکے ان کی جگہ ایسی جعلی مذہبی

قیادت آگے لائی جائے جو مسلمانوں میں اپنے مذہب پر تصلب اور پختگی کو کم کرنے میں کامیاب ہو، اور اس طرح عیسائیت کی راہ ہموار ہو۔ ۱۸۶۰ء کے اس اجلاس کے روئیداد کے بعد میں ایک کتاب کی صورت میں شائع ہوئی اور اب اس کی روشنی میں مسیحیت کی تبلیغ کے لئے پرانے طریقوں کو چھوڑ کر نئے طریقے اپنائے گئے۔ گزشتہ تیس چالیس سال کے دوران ایسے کئی واقعات آپ کے سامنے گزرے ہوں گے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب سے رہنمائی لے کر مسیحی مبلغین کام کر رہے ہیں۔

بہرحال اس اجلاس اور کانفرنس میں چند باتیں طے کی گئیں، اور پھر پوری مسیحی برادری ان پر عمل کرنے میں مصروف ہوگئی، پہلی بات تو اس سلسلے میں طے کی گئی کہ عیسائی حکمران براہ راست کسی مسلم ریاست پر حکومت کرنے کی بجائے وہاں جمہوریت کے فروغ، وہاں کے عوام کو آمریت اور ملوکیت سے آزادی دلانے اور انہیں عالمی برادری کا حصہ بنانے کے دل فریب نعروں کے ساتھ مداخلت کریں گے اور وہاں مذہبی قیادت کو ختم کر کے وہاں بے دین قیادت کو مسلط کرنے کا کردار ادا کریں گے۔

دوسری بات یہ طے کی گئی کہ مسیحیت کے فروغ میں سلطنت عثمانیہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے، کہ جہاں کہیں مسیحی مبلغین جاتے ہیں، سلطنت عثمانیہ کے کارندے ان کے پیچھے پیچھے پہنچ جاتے ہیں، اور سلطنت عثمانیہ ہر جگہ ان شخصیتوں اور اداروں کو مدد فراہم کرتی ہے، جو عیسائیت کے رد میں لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا طے کیا گیا کہ سلطنت عثمانیہ کو ہر قیمت پر توڑا جائے اور مسلمانوں میں خلافت کے قیام کے لئے جو نظریہ ہے اس کو کمزور کیا جائے اس طرح اس سلطنت کا جواز ختم ہو جائے گا، اور پھر جب سلطنت عثمانیہ ٹوٹ جائے تو مسلم دنیا کے چھوٹے چھوٹے ملکوں اور ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے اس طرح ہر ریاست میں عیسائیت کی تبلیغ کا کام آسان ہو جائے گا۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور پوری مسیحی دنیا نے سلطنت کو توڑنے اور مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرنے کا کام پوری قوت اور مشنری جذبے سے کیا۔ لیکن پھر بھی تیس چالیس برس تک مطلوبہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی، تو آج سے تقریباً چالیس برس پہلے پھر ایک بڑا اجلاس منعقد ہوا، جس میں تمام اسلامی ممالک سے بطور خاص تین تین چار چار عیسائی مبلغین اور پادری اس میں مدعو کئے گئے، اور ہر ملک سے متعلق الگ الگ مقالے لکھے گئے اور ان پر کئی روز تک بحث کی گئی اور ہر ملک کے حالات اور وہاں مسیحی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر تجاویز مرتب کی گئیں، یہ اجلاس چھ ماہ تک جاری رہا۔ اس رپورٹ اور اجلاس کی کارروائی کو انتہائی خفیہ رکھا گیا لیکن کسی طرح اس کا ایک نسخہ ایک مسلمان کے ہاتھ لگ گیا، اور انگریزی سے عربی ترجمہ کر کے ایک عرب عالم دین نے اسے شائع کر دیا۔ اس کتاب میں پاکستان سے متعلق مسیحیت کی تبلیغ کے لئے جو حصہ ہے، اس کا خلاصہ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں:

اس میں ایک بات تو یہ کہی گئی کہ پاکستان میں عیسائیوں کو معاشرتی اعتبار سے انتہائی کم تر سمجھا جاتا ہے، اوران کے کام کی وجہ سے انہیں ''چوڑا'' کہا جاتا ہے، لہٰذا جب تک اس معاشرتی فرق کو کم نہ کیا جائے عیسائیت کا فروغ نہیں ہوسکتا، یہی وجہ ہے کہ پھر بڑی بڑی کمپنیوں اور حکومتی اداروں اور درسگاہوں میں اعلیٰ مناصب پر عیسائی افراد کی تعیناتی کرائی گئی تاکہ مسلمانوں کو یہ احساس ہو کہ اگر کوئی عیسائی معاشرتی طور پر انتہائی کمزور ہیں تو کچھ عیسائی اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں، اس سے وہ نفرت کم ہوگی۔

دوسری بات یہ سامنے لائی گئی کہ جب کوئی مسلمان عیسائی ہوتا ہے تو مسلمانوں میں اس کے خلاف انتہائی نفرت پیدا ہو جاتی ہے وہ مسلم معاشرے سے کٹ جاتا ہے اور انگریزی نام رکھنے سے اس کی مسیحی حیثیت واضح ہو جاتی ہے اور پھر بھی ان کے ذریعے مسلمانوں میں تبلیغ مسیحیت کا جو دروازہ کھلنا چاہیے تھا، وہ نہیں کھل پاتا، لہٰذا طے کیا گیا اور اس پر عمل ہو رہا ہے کہ اب مسیحی اپنے بچوں کے نام بھی ہمارے عام ناموں سے ملتے جلتے رکھ رہے ہیں اور جب کوئی مسلمان عیسائی مذہب اختیار کرتا ہے تو یا تو اس کا سابقہ نام ہی برقرار رکھا جاتا ہے یا پھر معمولی سی تبدیلی کی جاتی ہے اور ایسا نام تجویز کیا جاتا ہے جس سے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ شخص مسلمان ہے یا عیسائی۔ اب پچھلے بارہ پندرہ سالوں سے اس طرح کے مشترک نام مثلاً پرویز، یا داؤد، سلیمان وغیرہ ایسے نام رکھے جاتے ہیں جو مسلمانوں کے ہاں بھی رکھنے کا رواج ہے۔

تیسری بات یہ تجویز کی گئی کہ مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا اپنا ایک تشخص ہے اور مذہب کے حوالے سے ہر مسلمان کی اپنی ایک طرح کی وابستگی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان اگرچہ نماز نہ پڑھتا ہو، ربیع الاول اور اس طرح کے مذہبی تقریبات میں شریک ہوتا ہے اور اس طرح اپنے مذہب کے ساتھ اس کی وابستگی مضبوط رہتی ہے، لہٰذا یہاں ایسی تقریبات کو فروغ دیا جائے جن میں مسلمان نوجوان عیسائیوں کو اپنے سے الگ سمجھنے کی بجائے ان کے ساتھ مل جل کر ان تقریبات میں حصہ لیں، چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ گزشتہ کئی سالوں سے عیسائی اپنے گرجوں کی مخصوص شکل سے ہٹ کر اس انداز سے انہیں تعمیر کرتے ہیں کہ پہلی نظر میں یہ فرق محسوس کرنا مشکل ہے کہ یہ مسجد ہے یا گرجا۔ پھر اس گرجا کا بورڈ لگانے کی بجائے انبیاء کے ناموں پر اسے ایک عبادت گاہ کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے۔

اسی طرح میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت ۲۵ دسمبر بتلایا جاتا ہے، حالانکہ واقعاتی اعتبار سے یہ غلط ہے، لیکن عیسائی مذہب کی یہ ایک سالانہ تقریب ہے، اسے ایک منصوبہ بندی کے ساتھ ایک عیسائی مذہبی تقریب کی بجائے ایک قومی تہوار اور تقریب کے طور پر منایا جاتا ہے اور اس میں مسلمانوں سے ہر طبقے کے لوگوں کو شریک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں قرب پیدا ہو، نفرت اور دوری کم ہو اور اس طرح ان میں عیسائیت کی تبلیغ کا راستہ کھل سکے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ جو تقریب ہے محبت کے نام پر ایک دن

پھول پیش کرنے کی ایک خالص عیسائی تقریب ہے، اسے ''ویلنٹائن ڈے'' کہا جاتا ہے، کہ نوجوان لڑکے لڑکیاں کسی مذہبی امتیاز کے بغیر ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں اور پھولوں کا تحفہ دیتے ہیں، یہ اور اس طرح کے ایام مسلمانوں کو بطورِ خاص نوجوانوں میں اپنے مذہب سے وابستگی کو کم اور کمزور کرنے کے لئے منائے جاتے ہیں، تاکہ ان کو شکار کیا جائے، وہ سمجھتے ہیں کہ بڑے بوڑھے تو اپنے مذہب کے بارے میں حساس اور پختہ ہیں، انہیں چھوڑ کر نوجوانوں پر محنت کی جائے۔ اس تمام صورت حال میں میسحیت کی اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے جو کام کیے جانے انتہائی ضروری ہیں، وہ میری رائے کے مطابق یہ ہیں:

۱- یہاں اس مرکز میں اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ایسے جید علماء کی ایک ٹیم کو جو اسلامی علوم میں انتہائی پختہ اور مستند ہو، یہاں بٹھایا جائے وہ عیسائیت کا ہر اعتبار سے اور ہر پہلو سے گہرا مطالعہ کرے اور جائزہ لے کہ عیسائی کس کس انداز میں اور کس کس نام سے اپنا تبلیغی کام کر رہے ہیں، بطورِ خاص این جی اوز کی سرگرمیوں کا کڑی نظر سے جائزہ لے۔ مسلم رائے عامہ کو بیدار کرے اور مسلمانوں میں اپنے دین کے ساتھ لگاؤ اور مذاہب باطلہ کی سرگرمیوں سے متعلق شعور پیدا کرے۔ ۲- وہ اسلامی عقائد و تعلیمات جن کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنا عیسائیت کا دو سو برس سے مشن ہے، ان پر عام فہم زبان میں لٹریچر اور تیار ہو اور اسے عام کیا جائے۔ ۳- عیسائیت کے رد میں جو کام دنیا میں کہیں بھی ہوا ہو، میں یہاں بتا دوں کہ عرب دنیا میں اس سلسلے میں بڑا ٹھوس اور علمی کام ہوا ہے، اسے یہاں اردو میں منتقل کرنا اسے عام کرنا ار جہاں جہاں عیسائی مذہبی کام زیادہ ہے ان علاقوں میں اسے پھیلانا، نہایت ضروری ہے، دنیائے اسلام میں جتنا کام اس سلسلے میں ہوا، اسے یکجا کر کے اسے عام کرنا ماضی میں بھی اور حال میں بھی اور ان علاقوں میں اسے عام کیا جائے جن علاقوں میں عیسائی مبلغین کا کام زیادہ ہے، مثلاً سیالکوٹ ہے، گوجرانوالہ ہے، اور شیخوپورہ میں لاہور ہے۔ اسی طرح جائزہ لیا جائے جن اضلاع میں عیسائیت کا کام زیادہ ہے، وہاں ردِ عیسائیت پر ہونے والے کام کو عام کیا جائے۔ ۴- ایک اور کام جو انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن اس کے لئے بڑے وسائل درکار ہوں گے، تاہم اگر اس کا اہتمام کر لیا جائے تو یہ بہت بڑی پیش رفت ہوگی، کہ جن علاقوں میں عیسائی مبلغین کا کام زیادہ ہے، ان سے تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے علمی ذوق رکھنے والے والے نوجوانوں کو یہاں جامعہ اسلامیہ میں لایا جائے، اور انہیں تربیتی کورس مختلف مدت کے کرائے جائیں، مطالعہ کرایا جائے اسلام کی حقانیت اور ردِ عیسائیت کے دلائل کی تیاری کرائی جائے اور یہ نوجوان پھر اپنے علاقوں میں جا کر عیسائی مبلغین کا علمی مقابلہ کریں اور ان کی تبلیغ کا راستہ روک دیں۔

☆☆……☆☆